مثنوی ’سحر البیان‘

ایک تفصیلی جائزہ

ادبی اصطلاح میں مثنوی ایسی صنفِ سخن کو کہتے ہیں جس کے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ بدل جائے مثنوی میں لمبے لمبے قصے بیان کئے جاتے ہیں نثر میں جو کام ایک ناول سے لیا جاتا ہے، شاعری میں وہی کام مثنوی سے لیا جاتا ہے۔ یعنی دونوں ہی میں کہانی بیان کرتے ہیں۔ مثنوی ایران سے ہندوستان میں آئی۔ اردو مثنوی کی ابتداء دکن سے ہوئی، دکن کا پہلا اہم مثنوی نگار نظامی بیدری کو مانا جاتا ہے۔

جب مثنوی کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو بات ’سحر البیان‘ تک پہنچتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو میں کافی تعداد میں مثنویاں کہی گئی ہیں مگر جو دلکشی اور ساحری مثنوی ’سحر البیان‘ میں موجود ہے دوسری مثنویاں ان خوبیوں سے محروم ہیں۔ اس لئے ہم بلا تکلف یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ سحر البیان اردو کی بہترین مثنوی ہے۔

’’’سحر البیان‘ اردو کی ان زندہ جاوید مثنویوں میں سے ہے جو ہر زمانہ میں عوام اور خواص میں یکساں طور پر مقبول رہی ہیں۔ اس مثنوی کی مقبولیت پر غور کیجئے تو بہت فنی محاسن ایسے نظر آتے ہیں جو دوسری مثنویوں میں نہیں ملتے ہیں۔ اسی لئے یہ ایک مقبول عام مثنوی ہے۔ ’سحر البیان‘ کے فنی محاسن کے سلسلے میں قابل ذکر ہے کہ اس کی کردار نگاری پلاٹ، جذبات نگاری، مکالمہ نگاری، مرقع نگاری، منظر نگاری اور سراپا نگاری کے علاوہ اس میں ایک مربوط معاشرت کے ثقافتی کوائف کی تصویر بے حد کامیاب کھینچی گئی ہے۔

اس مثنوی سے میر حسن اور ان کی سوسائٹی کے مذہبی افکار اور اخلاقی اقدار پر روشنی پڑتی ہے جو اس معاشرت کے روائتی طرز فکر اور تصورِ زندگی کا جزو بن چکے ہیں۔ ’سحر البیان‘ اس دور کے مذہبی معتقدات، ذہنی امور اور اخلاقی تصورات کی عکاس ہے۔ یہ مثنوی دراصل اس دور کی طرز زندگی کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔ اودھ کی اس فضا میں جہاں تکلف و تصنع کا دور دورہ تھا۔ دہلی سے دور ایک مختلف تہذیب پنپ رہی تھی۔ ’سحر البیان‘ میں اس تہذیب کی تصویریں بھی محفوظ ہیں۔ میر حسن چونکہ دلی سے آئے تھے اور مغل تہذیب کے دلدادہ تھے اسی لئے اس مثنوی ’گلزار نسیم‘ کے مقابلے میں لکھنوی عناصر کم ہیں۔ اس مثنوی کا اسلوب و لہجہ دہلوی ہے۔ تکلفات و تصنعات کا وہ زور نہیں جو بعد میں گلزارِ نسیم کی صورت میں نمودار ہوا۔ پروفیسر احتشام حسین اپنے ایک مضمون ’’سحر البیان پر ایک نظر‘‘ میں یوں لکھتے ہیں:

> " اگر کوئی شخص اختلاف کرنے پر آئے تو اختلاف ہر بات سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر کہا جائے کہ میر حسن کی مثنوی سحر البیان (جس کا پورا نام کبھی کبھی مثنوی سحر البیان یعنی مثنوی میر حسن معروف بے نظیر و بدر منیر لکھا جاتا ہے) اردو زبان کی سب سے اچھی مثنوی ہے، تو کہیں کہیں سے یہ آواز ضرور آئے گی کہ یہ رائے درست نہیں ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ مثنوی اردو کی بہترین مثنویوں میں شمار کی جاتی ہے تو شائد کسی کو شدت کے ساتھ اختلاف نہ ہو گا۔ کیونکہ کہانی اور اندازِ بیان میں ضرور کچھ ایسے عناصر ہیں جس کا مطالعہ اس کی عظمت کا پتہ دیتا ہے۔"

میر حسن نے کئی اور مثنویاں بھی لکھی ہیں لیکن کسی مثنوی میں یہ نہیں کہا ہے کہ:

ذرا منصفو! داد کی ہے یہ جا — کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا
زبس عمر کی اس کہانی میں صرف — تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر — تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر
نہیں مثنوی، ہے یہ اک پھلجھڑی — مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زبان — نہیں مثنوی، ہے یہ سحر البیان

یہ میر حسن کی تعلی ہو یا روایتی شاعرانہ پیرایہ بیان، لیکن ہم اس کو تنقید کی بنیاد بنا کر سحر البیان پڑھیں تو بعض دلکش نتائج ضرور بر آمد ہوں گے۔ سحر البیان کا مطالعہ ہم درج ذیل عنوانات کے تحت کرتے ہیں ہر عنوان میں اس کی خوبیوں اور فنی محاسن پر تنقید و تبصرہ کرکے اس کی قدر و قیمت نمایاں کی جائے گی۔

سحر البیان کا پلاٹ:

جہاں تک اس مثنوی کے پلاٹ کا تعلق ہے، اس میں کوئی نیا پن نہیں اس کہانی کے اجزاء مختلف منشور اور منظوم، قدیم داستانوں میں بکھرے پڑے ہیں اور اس کی کہانی سیدھے سادھے انداز میں یوں ہے:

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا جو اپنی منصف مزاجی کی وجہ سے رعایا میں ہر دلعزیز تھا۔ بادشاہ کو تمام نعمتیں میسر تھیں مگر اولاد جیسی نعمت سے محرومی اس کی زندگی کی سب سے بڑی محرومی تھی۔ اس محرومی و مایوسی کے عالم میں بادشاہ دنیا ترک کر دینے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ وزیروں کے مشورے پر وہ سر دست اس فیصلے پر عمل درآمد روک دیتا ہے۔ شاہی نجومی بادشاہ کے ہاں چاند سے بچے کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہیں۔ لیکن اس کی سلامتی و زندگی میں چند خطروں کی نشان دہی کرتے ہوئے اس احتیاط کی تلقین کرتے ہیں کہ بارہ سال کی عمر تک اسے محل کے اندر رکھا جائے اور رات کھلے آسمان تلے سونے نہ دیا جائے کچھ عرصے بعد واقعی بادشاہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نام اس کی خوبصورتی اور مردانہ وجاہت کے پیش نظر بے نظیر رکھا جاتا ہے۔ تمام شاہی تکلفات اور ناز و نعم کے ساتھ ۱۲ سال تک اسے محل کے اندر رکھا جاتا ہے۔ مگر سال کے آخری دن جب اس کی عمر بادشاہ کے حساب سے پورے بارہ سال ہو گئی تھی (حالانکہ اتفاق سے ایک دن کم تھا) وہ رات کو ضد کرکے چھت پر سو جاتا ہے۔ آدھی رات کے قریب ماہ رخ پری کا گزر وہاں سے ہوا۔ اسے سوتے میں دیکھ کر اس پر عاشق ہوئی۔ اور اپنے ساتھ پرستان میں لے گئی۔ شہزادے کی گم شدگی پر صبح محل میں قیامت کا منظر برپا ہو جاتا ہے۔ بڑی تلاش کی گئی مگر شہزادے کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ ماہ رخ پری طرح طرح سے شہزادے کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ شہزادہ اپنی صغر سنی کے باعث اداس، ملول اور پریشان رہتا ہے۔ اس پریشانی کو دور کرنے کے لئے ماہ رخ پری اسے کل کا گھوڑا دیتی ہے۔ اس گھوڑے پر سیر کرتا پھرتا شہزادہ بدر منیر شہزادی کے باغ میں اترتا ہے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر عاشق ہو جاتے ہیں اچانک ایک دن ایک دیو ان دونوں کو وصل کی حالت میں دیکھ لیتا ہے۔ اس کی اطلاع ماہ رخ پری کو ہوتی ہے تو وہ انتہائی غضبناک ہو کر شہزادے کو واپس آنے پر کوہ قاف کے اندھے کنوئیں میں ڈلوا دیتی ہے۔ بدر منیر کا عجیب حال ہے اس کی راز دار سہیلی وزیر زادی نجم النساء بے نظیر کی تلاش میں نکلتی ہے۔ اور آخر کار بڑی مشکلوں سے جنوں کے بادشاہ

کے بیٹے فیروز شاہ کی مدد سے بے نظیر کو رہائی دلاتی ہے۔ دونوں کی شادی وہ جاتی ہے خود نجم النساء فیروز شاہ کے ساتھ بیاہ کر لیتی ہے۔ اور یوں یہ مثنوی طرب ناک انجام کو پہنچتی ہے:

ڈاکٹر وحید قریشی پلاٹ کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فنی لحاظ سے سحر البیان کا جائزہ لیا جائے تو اس ضمن میں میر حسن کی ذہانت، پلاٹ کی تشکیل میں بروئے کار نظر آتی ہے۔ سحر البیان اردو کے چند عظیم مثنویوں میں سے ہے اس میں اگرچہ محدود زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے لیکن اپنی محدودیت کے باوجود میر حسن نے جس زندگی کو پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے دلچسپی کا وافر سامان مہیا کرتی ہے۔ مثنوی کی شہرت اور مقبولیت کا راز میر حسن کی اعلیٰ صلاحیت میں مضمر ہے۔"

تہذیب و ثقافت کی عکاسی:

سحر البیان کی فنی خوبیوں میں اس کی نمایاں خوبی تہذیب و ثقافت کی عکاسی ہے۔ سید عابد علی عابد اس کی تہذیبی و معاشرتی خوبیوں کا بیان یوں کرتے ہیں:

"میر حسن نے جس معاشرت کی تصویر کھینچی ہے وہ نوابانِ اودھ و لکھنو سے متعلق ہے رعایا خوشحال، پر جا فارغ البال، ہر ہفتے کوئی نہ کوئی تقریب، میلے ٹھیلے، ڈیرے دار طوائفیں، شوخ و شنگ اور چست و چالاک ناچنے والیاں، لوگ موسیقی کے رسیا، ٹھمریوں کے بولوں کے شیدائی، فرمانروا، داستان گوئی اور داستان طرازی کی طرف مائل، خوبصورت باغ لگوانے کے مشتاق، شہزادیاں اور ناز و نعمت میں پلی ہوئیں، سات محل کی خواصیں کہ جن کا نام سن کر آنکھوں میں نور، دل میں سرور آجائے۔"

موسیقی:

میر حسن نے درحقیقت اس تہذیب و معاشرت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اور وہ اس سے خوب واقف تھے یہاں ہم موسیقی کی ایک محفل کی تصویر پیش کرتے ہیں جسے میر حسن کے فنی شعور نے تخلیق کیا ہے:

بنا ٹھاٹھ نقار خانے کا سب	مہیا کر اسبابِ عیش و طرب
غلاف اس پہ بانات پہ زر کے ٹانک	شتابی سے نقاروں کو سینک سانک
دیا چوب کو پہلے بم سے ملا	لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
کہا زیر سے بم نے بہرِ شگوں	کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں
بجے شادیانے جو واں اس گھڑی	ہوئی گرد و پیش آکے خلقت کھڑی

رقص کی ایک اور محفل کا نظارہ کیجئے موقع یہ ہے کہ بدر منیر اور بے نظیر کی شادی کی خوشی میں رقص و موسیقی کا اہتمام ہوتا ہے اس منظر کی تہذیبی قدر و قیمت یہ ہے کہ یہاں اس دور کی رقصائوں کی عمدہ تصویر دی گئی ہے ان کے رقص کا انداز، پھرتی، جسم کے اعضاء کی حرکات اور ان سے پیدا ہونے والے تاثرات، اس تہذیبی محفل کی قیمت بڑھاتے ہیں۔ رقاصہ کا حقہ کے کش لگانا، پان کھانا، آرسی دیکھنا اور اس کے بعد رقص میں آنے کے

لئے آستین اور مہرے کا چاک اُلٹ دینا اور نئے سرے سے انگیا درست کرنا پھر ابرو درست کر کے چست وچالاک ہو کر دوپٹہ سر پر اُلٹ کر صف چیر کر نکل آنا۔ اس دور کے رقص کی تہذیب پیش کرتا ہے:

کھڑی ہو کے دو گھونٹ حقے کے لے — چبا پان اور رنگ ہونٹوں پہ دے
انگوٹھے کی لی سامنے آرسی — وہ صورت کو دیکھ اپنی گلزار سی
اُلٹ آستیں اور مہرے کا چاک — نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک
دوپٹے کو سر پر اُلٹ اور سنبھل — یکایک وہ صف چیر، آنا نکل
پکڑ کان اور گھنگھروئوں کو اٹھا — پہن پانو میں اپنے سر سے چھوا
ادھر اور ادھر رکھ کے کاندھے پہ ہاتھ — چلے ناچتے آنا سنگت کے ساتھ
کبھی ناچنا اور گانا کبھی — رجھانا کبھی اور بتانا کبھی

اس دور کے فرماں روائوں کے نجوم کے قائل اور رسموں کے گھائل ہونے کا منظر تو مثنوی کی ابتداء ہی میں نظر آتا ہے۔ مختلف موقعوں پر چند رسومات کا بیان بھی آیا ہے۔ اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو معاشرت وتمدن کی بڑی واضح اور جاندار تصویریں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ مثلاً شہزادے کی پیدائش پر جس طرح مال اسباب لٹایا جاتا ہے۔ علماء وشیوخ کو جاگیریں عطا کی جاتی ہیں۔ سپاہیوں کو گھوڑے دیے جاتے ہیں۔ ان سب سے اس معاشرے اور حکومت کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔

امیروں کو جاگیر لشکر کو زر — وزیروں کو الماس ولعل وگہر

جبکہ اس شعر میں تو آصف الدولہ عہد خود بخود جھلک رہا ہے۔ جو کہ مثنوی کے آخر میں کہا گیا ہے۔

رہے شاد نوّابِ عالی جناب — کہ ہے آصف الدولہ جس کا خطاب

ڈاکٹر وحید قریشی مثنوی سحر البیان کے اس پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دراصل سحر البیان ایسے معاشرے کی تصویر کشی ہے جسے فراغت حاصل ہے قصے کے تمام افراد اسی آسودہ حالی اور فارغ البالی کے مظہر ہیں۔"

منظر نگاری:

میر حسن نے منظر نگاری میں جس دقتِ نظر کا ثبوت دیا ہے وہ ان کی بھرپور فن کاری کی دلیل ہے واقعات کے ضمن میں مناظر کی جزئیات کی تفصیل ان کے ہاں اتنی گہری اور وسیع ہے کہ پورا منظر متحرک ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ میر حسن کی منظر نگاری کا فن دیکھنے کے لئے "باغ کی تیاری" کا حصہ کافی ہے۔ اس باغ کے منظر کو دیکھیے مغلیہ عہد کے آخری دور کا یہ باغ ہے۔ اس کی تعمیر، عمارات اور ترتیب کا بیان ہو بہو مغل باغات کے مطابق ہے۔ باغ کا نقشہ اور عمارتوں کا بیان، بے جان تصویریں نہیں بلکہ ایک ایسا نگار خانہ ہے جس کی ہر شے متحرک ہے اور اس میں ایک ایسی تہذیب

کے چہرے سے نقاب اُٹھائی جارہی ہے جسکو میر حسن نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسی لیے وہ اپنے عہد کی تہذیب اور زندگی کی رونقوں کی تصویر پیش کرسکے۔ میر حسن فطری مناظر میں دلچسپی رکھتے تھے۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

”میر حسن اس معاملہ میں یکتا ہیں کہ انہوں نے فطری مناظر کی دلکشی اور رعنائی کو اپنی روح میں جذب کیا اور پھر اس رعنائی کو پڑھنے والوں تک اس طرح منتقل کیا کہ ان کی صنعت گری کا عالم دیکھ کر بڑے سے بڑا نقاد انگشتِ بدنداں ہے۔“

باغ کی تیاری:

اب باغ کی تیاری کا منظر دیکھئیے مختلف پھولوں، درختوں کے نام ہی سنیے ان کی خوشبو بھی محسوس کیجئے۔ میر حسن نے باغ کی فضا بناتے وقت پھل، پھول، درخت، خوشبو، روشنی ہوا کا حسین امتزاج تیار کردیا ہے جس میں پڑھنے والا کھو کر رہ جاتا ہے:

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ ہوا رشک سے جس کے لالے کو داغ
عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان لگے جس میں زربفت کے سائبان
چقیں اور پردے بندھے زرنگار دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
چھپرکھٹ مرصّع وہ دالان میں چمکتا تھا اس طرح ہر آن میں
زمیں پر تھی اس طور اس کی جھلک ستاروں کی جیسے فلک پر چمک
زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں
بنی سنگ مرمر سے چوپڑ کی نہر گئی چار سو اس کے پانی کی لہر
چمن سے بھرا باغ، گل سے چمن کہیں نرگس و گل، کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا کہیں رائے بیل، اور کہیں موتیا

غسل کا منظر:

رقص و موسیقی اور باغات و عمارات کے تہذیبی نقشے دیکھنے کے بعد ایک روایتی غسل کا منظر بھی دیکھئیے شہزادہ بے نظیر غسل کے لئے آتا ہے۔ اس مقام پر کیا اہتمام ہوتا ہے کیسے کیسے لوازمات برتے جاتے ہیں یہ منظر دیکھیے:

ہوا جب کہ داخل وہ حمّام میں عرق آگیا اس کے اندام میں
تنِ نازنیں نم ہوا اس کا کل کہ جس طرح بھیگے ہے شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لنگیاں مہ و مہر سے طاس لے کر وہاں
لگے ملنے اس گل بدن کا بدن ہوا ڈھڈھا آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
وہ گورا بدن اور بال اس کے تر کہے تو کہ ساون کی شام و سحر